© rasailojaraid.com

رائٹس سے متصادم ہے؟

ان حضرات کے بیانئے پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ بیانیہ بعینہٖ اسی نوعیت کا ایک مذہبی بیانیہ ہے کہ "ریاست کو یہ حق نہیں کہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف کوئی قانون وضع کرے، اس پر لازم ہے کہ وہ اسلام کی پابندی کرے"۔ دوسری بات یہ کہ اسلام تو یہ مطالبہ اصولاً اسی نظم اجتماعی سے کرتا ہے جو اس کے ماننے والوں کی رائے سے تعمیر ہوا ہو، اس کے برعکس شریعت ہیومن رائٹس والوں کے مطابق اس دنیا کے سب انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی پابندی کریں، چاہے وہ اسے مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شریعت ہیومن رائٹس والوں کے نزدیک ہیومن رائٹس کی شریعت پر عمل نہ کرنے والی ریاست فاشسٹ ریاست ہوتی ہے! شاعر نے اسی کے لئے کہا تھا کہ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد۔ اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بلکہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس ملک کے مذہبی سیکولر طبقات ان حضرات کی گفتگو پر "واہ واہ" کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

سیکولر فکر کی بنیادوں پر گفتگو کا یہ موقع نہیں، مختصراً یہ یاد رکھنا چاہئے:

- یہ سمجھنا کہ حقوق کا ماخذ خود انسان ہے دراصل انسان کو خود اپنا خدا اقرار دینا ہے
- یہ سمجھنا کہ "انسانی حقوق" از خود واضح ہیں، ایک ایسا ایمان بالغیب ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہیں
- یہ سمجھنا کہ "انسانی حقوق" ان معنی میں کوئی واقعاتی امر ہے کہ یہ سب انسانوں کی اجتماعی رائے سے وجود میں آئے ایک نظریاتی غلط فہمی ہے کیونکہ ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ نیز اگر یہ واقعی واقعاتی ہوں تو کسی دوسرے واقعاتی اجماع سے انہیں رد کرنا بھی جائز ہو جو مفکرین انسانی حقوق کے نزدیک کسی صورت جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعاتی شہادت پر نہیں بلکہ نظریاتی الل ٹپ پر مبنی ہیں۔ درحقیقت ان حقوق کو کسی واقعاتی شہادت کی ضرورت ہی نہیں، اس کے قائل مفکرین انہیں بس "بدیہی مانتے" ہیں جن کے لئے کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ رالز ان کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا کیونکہ دلیل پیش کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ بدیہی نہیں۔ اس کا شارح ڈربن کہتا ہے کہ ان کا انکار کرنے والوں کو تو بس قتل ہی کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ترجیحی بیانیہ: غیر مسلموں میں سے قادیانیوں کی اولیت

اس بیانیے کی رو سے کسی مسلمان کا نبوت کا اعلان کرنا اور دیگر کا اسے قبول کرنا کفر کو تو مستلزم ہے مگر اس کے قائل کے قتل کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا ایسا دعوی کرنے والے لوگ اسی طرح کے کافر ہیں جیسے اہل کتاب وغیرہ۔ البتہ جس طرح اہل کتاب کو مشرکین کے مقابلے میں اس بنیاد پر ترجیح حاصل ہے کہ وہ تاریخ، عقائد و مسائل کے معاملے میں مسلمانوں سے قریب تر ہیں، اسی طرح قادیانیوں کو دیگر غیر مسلموں پر اخلاقی ترجیح حاصل ہوگی۔ اس بیانیے کے مطابق مختلف گروہوں کی ترتیب کچھ یوں ہے: مسلمان، قادیانی، اہل کتاب و دیگر غیر مسلم۔ چنانچہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ منطقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قانونی وانتظامی عہدوں کی تقسیم کے باب میں بھی اس ترتیب کو مد نظر رکھنا لازم ہے۔ البتہ یہ بیانیہ امت کی مجموعی علمی تاریخ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں اور چند ایسے مفروضات (قانون اتمام حجت مع متعلقات) پر مبنی ہے جو ثابت شدہ نہیں۔ چونکہ یہ بیانیہ نفس مسئلہ کی درست تشخیص نہیں کرتا، لہٰذا اس سے برآمد شدہ نتائج اس مسئلے پر امت کی ترجمانی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی بنیاد پر یہ سمجھنا ممکن ہے کہ آخر مسلمان اس مسئلے پر اس قدر حساسیت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں۔ اس بیانئے کے مطابق مسلمانوں کا یہ طرز عمل غیر عقلی و غیر شرعی ہے۔

(۳) عدم ترجیحی بیانیہ: غیر مسلموں کے مابین مساوات

یہ بیانیہ بھی ثانی الذکر بیانیے کی طرح اعلان نبوت کو قابل قتل جرم تصور نہیں کرتا، ہاں یہ کفر کو مستلزم ہے۔ البتہ اس خیال کے مطابق ثانی الذکر کے برعکس قادیانیوں کو دیگر غیر مسلموں پر ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔ اس تصور کے حامل افراد کے خیال میں مسلمانوں کو قادیانیوں کے ساتھ اسی طرز کا معاملہ کرنا چاہیے جو دیگر غیر مسلموں کے ساتھ مشروع ہے اور اس معاملے میں اس سے زیادہ حساسیت اعتدال سے ہٹ جانا ہے۔ یہ ایک عمومی نوعیت کا بیانیہ ہے جو عام لوگوں (یا چند اخباری کالم نویسوں وغیرہ) میں مشہور ہے۔

(۴) فقہی بیانیہ

اس بیانیے کے مطابق اعلان نبوت نہ صرف کفر کو مستلزم ہے بلکہ اس کا دعوی کرنے والے کے لیے موجب قتل بھی ہے۔ امت مسلمہ کی تاریخ میں اسی رائے کو معتبر سمجھا گیا ہے۔ کسی مسلمان کا اعلان نبوت کرنا اور دوسروں کا اسے قبول کرنا دراصل امت کے اندر امت کھڑی کرنے کے مترادف ہے۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک متوازی امت کا چیلنج کبھی پیدا نہیں ہو سکا جسکی وجہ یہ تھی کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کو اتنی مہلت ہی نہ دی گئی کہ وہ کوئی متوازی امت کھڑی کر سکے، اس سے قبل ہی اسے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ نجانے کیوں مسلمانوں نے مرزا قادیان کو یہ موقع دیا، مسئلے کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔ یہ بات اگر واضح ہو تو دوسرے بیانئے کی غلطی از خود واضح ہو جاتی ہے جو دعوی نبوت کرنے والے کو دیگر غیر مسلموں کی طرح تصور کرتا ہے کیونکہ دیگر غیر مسلموں کے ساتھ قتال کی بنیاد ان کا غیر مسلم ہونا نہیں جبکہ دعوی نبوت کرنے والے اور اس کے ماننے والے مرتدین کے ساتھ اس کی بنیاد عین ان کا یہ دعوی کرنا ہے۔ لہٰذا اصل حکم کو معطل کرکے پھر انھیں کسی دوسرے غیر مسلم گروہ پر قیاس کرکے ان سے زیادہ رعایت دینا باطل قیاس ہے۔

قیام پاکستان کے بعد جب مسئلہ قادیانی اٹھا تو اس گروہ کی شرعی حیثیت متعین کرتے ہوئے ایک ایسی نسل کا معاملہ بھی شامل بحث ہو چکا تھا جو پیدائشی طور پر قادیانی تھی۔ ایسے لوگ جو پیدائشی طور پر قادیانی ہوں، چونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا حکم عام کفار کی طرح ہوا کرتا ہے لہٰذا پوری بحث و تمحیص اور فریق مخالف کا مقدمہ سن چکنے اور اسے وضاحت کا پورا موقع دیے جانے کے بعد آئین پاکستان میں قادیانیوں کی اصولاً یہی حیثیت متعین کی گئی کہ یہ لوگ دیگر غیر مسلموں کی طرح سمجھے جائیں گے۔ البتہ آئین پاکستان اس بارے میں خاموش ہے کہ اگر کوئی مسلمان اب قادیانیت کو اختیار کرے گا تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس ابہام کو شاید مستقبل میں کبھی دور کرنے کی ضرورت آ پہنچے۔ مگر یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ پاکستانی قانون کی یہ خاموشی صرف قادیانیوں کے معاملے میں نہیں ہے بلکہ ارتداد کے معاملے پر ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان ہندو یا عیسائی بھی ہو جائے تو بھی پاکستانی قانون کی رو سے وہ واجب القتل نہیں ہوتا (ہاں اس کی زوجہ کو عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا حق میسر ہے۔ (پاکستانی قانون میں ارتداد کی صرف ایک صورت پر قتل کی سزا ہے اور وہ ہے توہین رسالت ﷺ۔

اس قانونی پوزیشن کو اختیار کئے جانے کا یہ منطقی تقاضا تھا کہ قادیانی پر نظر رکھی جائے کہ کہیں یہ مسلمانوں کا بھیس اختیار کرکے عوام کو دھوکہ تو نہیں دیتے، یعنی اس قانون کا یہ تقاضا تھا کہ یہ لوگ خود کو مسلمان نہ کہیں۔ لیکن چونکہ یہ لوگ اس سے باز نہیں آتے بلکہ الثانہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور ان کے شعائر اختیار کرکے عوام الناس کو دھوکے و تلبیس کے ذریعے اپنے دین کی طرف مائل کرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ ہر طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے سازش کرتے ہیں لہٰذا 1984 پاکستان کے فوجداری قانون میں 298 بی اور سی کی شقیں شامل کی گئیں جن کی رو سے جو قادیانی خود کو مسلمان کہے نیز اس کی تبلیغ کرے اسے دھوکہ دہی کے جرم میں تین سال قید کی سزا دی جائے گی۔ پھر 1993 میں سپریم کورٹ نے یہ واضح کیا کہ یہ فوجداری سزائیں آئین میں دی ناشدہ حقوق سے متصادم نہیں ہیں۔ جس طرح ہر معاشرے میں لوگ دھوکہ باز گروہوں سے خوب خبردار رہتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی اس دھوکہ باز گروہ سے خبردار رہتا ہے کیونکہ یہ اپنی دھوکہ دہی سے نہ صرف یہ کہ باز نہیں آتا بلکہ اس دھوکے ہی کے حق ہونے پر اصرار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی قادیانی کو کوئی انتظامی نوعیت ہی کا عہدہ دینے کا معاملہ درپیش ہو تو مسلمان اس پر سخت رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور انہیں ہر طرح سے معاشرتی اخراج کا شکار کرکے پنپنے کے مواقع نہیں دیتے۔ عاطف میاں کے بارے میں تو مشہور ہے کہ وہ پیدائشی نہیں بلکہ کنورٹڈ قادیانی ہے اور باقاعدہ اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ ایسا شخص پاکستانی قانون کی رو سے سزا کا مستحق ہے نہ کہ کسی عہدے کا۔ اگر قادیانی چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے آئینی حقوق میسر ہوں تو پہلے انہیں جرم کرنے سے باز آنا ہوگا۔

چنانچہ مسئلہ قادیانیت کو امت کے تاریخی، فقہی و سماجی پس منظر سے کاٹ کر اسے کوئی فوری واقعاتی معاملہ سمجھ کر تجزیہ کرنے سے یہ کبھی واضح نہیں ہو سکتا کہ مسلمانان پاکستان قادیانیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے ہیں۔ امت کا یہ مزاج نہیں کہ وہ ایک متوازی امت کو قبول کرلے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد عمار خان ناصر

احمدیوں اور دیگر غیر مسلموں کے مابین فرق پر ایک مکالمہ

احمدیوں کی مذہبی وشرعی حیثیت کے ضمن میں ایک سوال اہل علم اور خاص طور اہل فقہ وافتاء کی توجہ متقاضی ہے، اور وہ یہ کہ احمدیوں کو ہم نے ایک آئینی فیصلے کے تحت غیر مسلم تو قرار دے دیا ہے، تاہم یہ معلوم ہے کہ ان کی حیثیت مسلمانوں ہی کے (اور ان سے نکلنے یا نکالے جانے والے) ایک مذہبی فرقے کی ہے۔ ہم ایک بنیادی عقیدے میں اختلاف کی بنیاد پر ان پر مسلمانوں کے احکام جاری نہیں کرتے، لیکن مذاہب کی تقسیم کے عام اصول کے تحت، کم سے کم غیر مسلموں کے نقطہ نظر سے وہ مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ شمار ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ گروہ بھی اسلام کے ساتھ اپنی نسبت اور پیغمبر اسلام کا امتی ہونے کے دعوے سے دستبردار نہیں ہوا، بلکہ اپنی نئی نبوت کو اسی کا تسلسل شمار کرتا ہے۔

اس سے ایک فقہی سوال پیدا ہوتا ہے، جس کے سیاسی و عملی مضمرات بہت اہم ہیں، کہ مسلمانوں اور احمدیوں کے باہمی تعلق میں انھیں غیر مسلم شمار کرتے ہوئے، اگر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جس میں احمدیوں اور دیگر غیر مسلموں کا تقابل ہو رہا ہو تو ہمارا زاویہ نظر کیا ہوگا؟ مثال کے طور پر کسی جگہ احمدیوں اور ہندوؤں یا کسی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں جنگ ہو رہی ہو اور مسلمانوں کو مذہبی ہمدردی کے اصول پر کسی کی تائید کرنی ہو تو انھیں کس کی تائید کرنی چاہیے؟ اسی طرح مثلاً غیر مسلم ممالک میں کسی مسئلے میں احمدی کمیونٹی کو کسی مذہبی مشکل کا سامنا ہو تو کیا مسلمانوں کو ان کی سپورٹ کرنی چاہیے یا غیر جانب دار رہنا چاہیے؟ یا یہ کہ مسلمانوں کی کسی مشکل میں احمدی، مذہبی تعلق کے ناتے سے ان کو سپورٹ کرنا چاہیں تو انھیں اپنی صفوں میں شامل کرنا چاہیے یا نہیں؟

سوال پر فقہ وشریعت کے اصولوں اور نظائر کی روشنی میں غور کے ساتھ ساتھ دو جید علماء کے رجحان پر بھی اگر گفتگو ہو جائے تو تنقیح مسئلہ میں آسانی ہوگی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے جب مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو جمعیۃ علماء ہند کے راہ نماؤں کی طرف سے ان کے سامنے ایک اعتراض یہ پیش کیا گیا کہ مسلم لیگ میں تو قادیانی بھی شامل ہیں جو مرتد ہیں، اس لیے ایسی جماعت کو کیسے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھا جا سکتا ہے؟

© rasailojaraid.com